آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو

صاحبزادہ سیّد خورشید احمد گیلانی

"چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس شان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کیے۔ سیّارگانِ فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، مہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیٔ موسیٰؑ، جاں نوازیٔ عیسیٰؑ اسی لیے تھی کہ یہ متاع ہائے گراں بہا تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گہر بار میں کام آئیں گی۔

آج کی صبح وہ صبحِ جاں نواز، وہ ساعت ہمایوں، وہ دورِ فرّخ فال ہے کہ آج توحید کا غلغلہ بلند ہوا، بتکدوں میں خاک اُڑنے لگی، نفرت و کدورت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، محبّت اور اخوت کے پھول مہک اُٹھے، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، شبستانِ حیات جگمگا اُٹھی، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اُٹھا، ابراہیمؑ کی دُعا قبول ہوئی، نطقِ عیسیٰؑ کی تبشیر وجود میں آئی، کبھی نہ غروب ہونیوالا آفتاب افق سے نکلا، جمعیتِ خاطر اور اطمینانِ قلب کے لیے ٹھوس عقیدے اور جامع نظام دستور کی کمی پوری ہو گئی"۔

اوپر کے یہ الفاظ برّصغیر پاک و ہند کے نامور انشا پرداز اور ممتاز سیرت نگار مولانا شبلی نعمانیؒ

کے ہیں، شبلیؒ نے بلاشبہ اپنا سارا سرمایۂ ادب و انشاء لاکر بارگاہِ نبوت میں ڈھیر کر دیا ہے، ہر لفظ کوثر و تسنیم سے دُھلا ہوا اور ہر حرف محبّت کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہے، مرحوم نے اپنے گلشنِ عشق کے عقیدت کی خوشبو میں رچے ہوئے سارے پھُول اُس جانِ بہار کے حضور نذر کر دیے ہیں اور اپنے میکدۂ دل کے محبّت سے لبالب بھرے ہوئے جام اُس رونقِ بزم کے نام پہ لُنڈھا دیے ہیں، شبلیؒ نے عمر بھر میں جو علم کے موتی چُنے، ادب کے نگینے جمع کئے اور نثر و نظم کے جواہر پارے اکٹھے کئے، ان سب کو طشتِ دل میں سجایا اور جاکر سرورِ کائناتؐ کی جناب میں اُلٹا دیا، کہ یہی اُن کی مراقبہ و مشاہدہ کی کُل متاع تھی جو انہوں نے لگا دی۔

ایک شبلیؒ پر کیا موقوف اس بارگاہِ عرش پائے گا میں غزالیؒ اپنی تلقین، رازیؒ اپنا پیچ و تاب، فارابیؒ اپنی حیرت، بوعلی سیناؒ اپنی حکمت، رومیؒ اپنا سوز و ساز اور قُدسیؒ اپنا انداز نثار کر بیٹھے آج جمشید و فریدوں ہوتے تو اپنا جامِ جہاں نما بلا تکلف سفالِ مدینہ پر قربان کر دیتے اور دارا و سکندر اپنے تاجِ سر اور تختِ سکندری پر مدینے کی چاکری کو ترجیح دیتے "تاجدارِ" الفقر فخری" کی سرکار میں جنیدؒ و بایزیدؒ کبھی اُونچی سانس نہ لے سکے، وہ بارگاہِ عالم پناہ جہاں طائرِ سدرہ نشیں مُرغِ سلیمانِ عربؐ بن کر مژدۂ بلقیسِ شفاعت لائے اُس ذات کی محفلِ قُدس کا کیا کہنا جس کا دُود چراغ ہمیشہ غازۂ رُوئے قمر ٹھہرا، اس چمنستانِ حُسن کی کیا بات ہے جس کا ہر گُل و ریحان لوثِ خزاں سے پاک رہا، اُس دریائے رحمت کا کیا بیان کہ کوثر و تسنیم جس کی دُو۲ بوندیں قرار پائیں، اور اُس چشمۂ بقا کی حدِّ کمال کہاں کہ جس کے تلووں کا دھوون آبِ حیات بن گیا۔

سچ بات یہ ہے کہ دُنیا کا بڑے سے بڑا مضمون نگار خواہ سو۱۰۰ رنگ سے مضمون باندھے اور ہر رنگ میں سو۱۰۰ ڈھنگ اپنائے پھر بھی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ

ع تو کائناتِ حسن ہے یا حُسنِ کائنات ؟

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے، اگرچہ یک رُخے انقلاب کئی آئے اور اپنی مدّت پوری کر کے چلتے بنے، بہت کم ایسا ہوا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تئیس۲۳ برس کے قلیل عرصے میں دس بیس افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج اور کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب

سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدّو راہزن تھا اب راہبر کے منصب پر فائز ہوگیا، اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا اب وہ عفو و رحمت کا پیمبر بن گیا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب خدا پرست ہوگیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے اور اس سے پہلے وہ آتش بجاں تھا اب وہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان انقلاب کے پیچھے کوئی فوج اور سپاہ نظر نہیں آتی فقط اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کارفرما رہی۔

انقلابِ فرانس کو دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آج کی سائنسی ترقی کہا جاتا ہے کہ انقلابِ فرانس کا فیض ہے، روشن خیالی کا چشمہ انقلابِ فرانس سے پھوٹا، اس دورِ انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھیوں پر کیا بیتی؟ اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں عیسائیت کے تقدس اور تحفظ کے نام پر پورا یورپ "پھانسی گھر" بن گیا، گلیلیو اور برونو کی داستانیں آج بھی یورپ میں زبان زدِ عام ہیں۔

روس کا بالشویکی انقلاب بھی بلا شبہ بہت بڑا واقعہ ہے مگر وہاں کے کسانوں اور مزدوروں نے اسکی کیا قیمت چکائی؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس انقلاب کے تنور کا ایندھن بنے، اور سٹالن نے دورِ حکومت میں بیس ہزار سرکاری ملازمین مروائے، اور سائبیریا کے یخ بستہ جہنم کے چرچے شکستِ روس تک عام رہے کچھ پردے اُٹھ رہے ہیں، اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس انقلاب نے گندم کے ایک ایک دانے کے عوض ایک ایک انسانی جان کی قیمت وصول کی ہے اور تن ڈھانپنے کے بدلے میں لباسِ عصمت تار تار کیا ہے، جرمن قوم آج بھی نسلی تفاخر کے نشے میں دھت ہے، اسی نسلی گھمنڈ نے ہٹلر کو جرمنوں کی آنکھ کا تارا بنایا، اور اس نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کا نعرہ لگایا، اور یہی نعرہ جنگِ عظیم دوم کا پہلا شُعلہ بنا، اور یہ شعلہ آگ کا الاؤ ثابت ہوا جس میں ستّر لاکھ انسان جل کر کوئلہ ہوگئے، اور اتنی ہی تعداد زخم چاٹنے والوں اور معذوروں کی سامنے آئی۔

ہٹلر کی آپ بیتی مین کیمف یعنی میری جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لیے ۱۲۵، ہر صفحے کے لیے ۴۷۰۰ اور ہر باب کے لیے بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور اس

سب کا حاصل ہ خودکشی، رسوائی اور پسپائی، چین کا کمیونسٹ انقلاب بھی بہت بڑا انقلاب ہے مگر لانگ مارچ سے لے کر تیان من سکوائر تک پھیلے ہوئے لاشوں کے ڈھیر اس انقلاب کی "افادیت" کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ان سب کے مقابلے میں ایک انقلابِ محمدیؐ ہے جو اپنے جلو میں بشریت کا لہو نہیں انسانیت کی آبرو لے کر آیا اس کے برپا ہونے سے مدت کا اندھیر نہیں چھایا بلکہ زندگی کا سویرا طلوع ہوا، اُس نے کشتوں کے پشتے نہیں لگائے بلکہ حُسن و محبّت کے بُوٹے اُگائے، وہ کسی جنگِ عظیم کا پیش خیمہ نہیں بنا بلکہ کاروانِ امن کا ہراول دستہ ثابت ہوا یہ قافلۂ انقلاب دارِ ارقم سے نکل کر فتحِ مکہ پر اپنا سفر مکمل کرتا ہے مگر اس عرصے میں اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا کہ روزانہ کسی بڑے ہسپتال میں صحت پانے کی غرض سے آپریشن کے دوران بہہ جاتا ہے۔

اِس انقلاب کی ایک اور خوبی بھی ہے کہ وہ حالات بظاہر انقلاب کے لیے سازگار اور اُس کے متقاضی نہیں تھے، یوں لگ رہا تھا کہ چار ہزار سال سے تعمیر کیا گیا تہذیب کا وہ قصرِ مشید دھڑام سے گرنے والا ہے اور انسانی سوسائٹی اس میں دب کر آنے والی کئی صدیوں تک چیختی کراہتی رہے گی۔

اُس دور میں جزیرۃ العرب اعتقادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے ناقابلِ رشک کیفیّت سے گزر رہا تھا، عرب اعتقادی طور پر بالکل نچلی سطح پر پہنچ چکے تھے اس سے آگے شرفِ انسانی کی توہین کی کوئی منزل نہیں تھی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، بُت پرستی، ستارہ پرستی الغرض کتنی "پرستیاں" انہیں جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں، ہر قبیلے کا الگ بُت اور ہر ایک کا جُداگانہ طرزِ پرستش۔

عرب بلاشبہ شجیع تھے مگر شجاعت پر سنگدلی کا گمان گزرتا تھا، عرب قادر الکلام تھے مگر زیادہ تر ہجویہ اشعار میں اپنا زورِ صرف کرتے تھے، وہ جفاکش تھے مگر ساتھ ساتھ برادر کُش بھی، وہ مہمان نواز تھے مگر ان کا دسترخوان زیادہ تر چوری اور راہزنی کے اسباب سے سجا ہوتا تھا، ان کی سیاست میں انفرادیت کا رجحان تھا، کوئی مرکزی نظم نہ تھا کوئی باقاعدہ نظامِ عدل و انصاف بھی نہ تھا سارا معاشرہ قبائلی فضا میں سانس لے رہا تھا، جس کے نتیجے میں ایک طرح کی طوائف الملوکی تھی، اعتقادی پستی کے اس ماحول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدۂ توحید پر مبنی انقلابی نظام قائم کر کے وحدتِ انسانی کا سنگِ بنیاد نصب فرما دیا۔

انفرادیت پسندی اور خود پرستی کی اُس فضا میں اجتماعی نظم اور خدا پرستی کا نمونہ پیش کیا حتیٰ کہ مذہبی آداب و شعائر تک میں اجتماعیت کا رنگ غالب کر دیا اور یوں آنیوالے وقتوں میں بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کی راہ ہموار کر دی گلے سڑے معاشرے میں حیات افروز رجحانات کو فروغ دے کر سوسائٹی میں امن، اخوت، ایثار، عدل، اطاعت اور روحانیت کی لہر دوڑا دی۔

قبائلی عصبیّت کا رُخ موڑ کر اسے اسلامی عصبیّت میں بدل دیا اور یوں ذاتی اغراض کی جنگ کو ختم کر کے کفر، باطل، ظلم، فساد اور طغیان کے خلاف لوگوں کو مورچہ بند کر دیا اس طرح نفرت کا ہدف انسان کے بجائے اس میں پائی جانے والی بُرائی کو بنا دیا، تاکہ اس کے خلاف جہاد کر کے انسان کو اس کے مقامِ انسانیّت سے آگاہ کیا جا سکے، آج دنیا یو این او کے چارٹر سے آگاہ ہے جنیوا کنونشن بھی موجود ہے، فنڈامنٹل رائٹس کے کمیشن بھی دنیا بھر میں کام آ رہے ہیں نت نئے ورلڈ آرڈر بھی متعارف ہو رہے ہیں، نیو سوشل کنٹریکٹ کی باتیں بھی ہوتی ہیں، اور لوگ نیشنلزم سے انٹرنیشنلزم کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ خواب و خیال ہوتا اور وہم و گمان ہوتا اگر قدیم و جدید کے سنگم پر وہ ذاتِ ستودہ صفات تشریف فرما نہ ہوتی جس نے عہدِ قدیم کو پاش پاش ہونے سے بچا لیا اور عصرِ جدید کو نئے خطوط فراہم کر کے آگے بڑھنے کے قابل بنا دیا۔

آیۂ کائنات کو جس طرح ہزاروں برس پہلے مرحلۂ انتظار سے گزرنا پڑا تب جا کر معنیٔ دیریاب نصیب ہوا اسی طرح آج بھی قافلہ ہائے رنگ و بو کو اپنی تلاش کا سفر جاری رکھنا پڑے گا، حرف و لفظ کے اسیر جلوتیانِ مدرسہ اور تہی سبُو خلوتیانِ میکدہ کو ابھی جلد فیضانِ انقلابِ محمدیؐ کے تمام پہلوؤں کا ادراک حاصل نہیں ہو سکے گا۔

زمانہ ابھی کئی کروٹیں لے گا، صدیوں کا سفر ابھی باقی ہے، غنچے سے کلی اور کلی سے پھول بننے میں ابھی کئی مراحل پڑے ہیں اور شعورِ انسانی کو مزید مصطفوی اور مجلّٰی ہونا ہوگا، تب اُسکی سمجھ میں آئے گا کہ

لوح بھی تو قلم بھی تُو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّۂ ریگ کو دیا، تُو نے طلوعِ آفتاب